شذرات

افادات علامہ عبیداللہ سندھی

سطعات

حکمت کی پرانی تاریخ میں تین ملک ہم فکر رہے ہیں۔ ہند، ایران، اور یونان، حکمت کا مطلب فقط یہ ہے کہ ہم جو چیزیں اپنے گرد و پیش دیکھتے ہیں ان کی حقیقت سمجھنا۔ یہ علم حضرت ابراہیمؑ ~~سے~~ کی نبوتوں میں اساسی چیز تھی۔ مثلاً ایک نبی آکر حساب کا قاعدہ سکھا دیتا ہے۔ یہی اس کا کمال ہے۔ چنانچہ جواھر المضیئہ فی تراجم الحنفیہ میں ایک متقی عالم کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ حساب میں خطائین کا قاعدہ دو غلطیاں کرکے نتیجہ صحیح نکالنا ایک نبی نے آکر سکھایا ہے۔ یہ قاعدہ آج کل جبر و مقابلہ کی وجہ سے متروک ہے۔

حکمت کی بعض چیزیں تمام انسانیت یکساں طور پہ مانتی ہے مثلاً حساب کے قواعد اور علم ہیئت کے اصول سب قوموں میں یکساں مانے جاتے ہیں۔ ہیئت فلکی سے ترقی کرکے علم نجوم پیدا ہوا اور اس طرح ارضی اشیاء کی تاثیرات ضبط کرنے سے علم طب پیدا ہوگیا۔ طب اور نجوم کو ماننے والا آدمی آخر خدا کو مانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار نہیں کرسکتا۔ پہلے زمانہ میں یہ طب اور نجوم انسان کی دینی اور دنیاوی ضرورتوں کے لیے کافی سمجھے گئے ہیں۔ چنانچہ امام غزالیؒ لکھتا ہے من لم یعرف الھیئة والتشریح فھو عنین فی معرفة اللہ۔ اگر ثابت ہو جائے کہ انسانیت کا کوئی طبقہ کسی علم سے خالی نہیں رہا ہے تو وہ علم اس طبقہ کے لیے بہت محترم ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ماننا اس درجہ کا علم ہے اس لیے نہایت ہی محترم ہے۔ جیسے بعض انسان اندھے پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے ہی بعض اس معرفت الٰہی[۱] سے

۱؎ قَدْ جَاءَ فِی الْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی

خالی اور نابلد ہوتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو انسانیت کا معیار قرار دیا جائے تو معاملہ ہی الٹ جائے گا۔ بھلا ایسوں کو انسانیت سے کیا تعلق ہے حکمت کی اشاعت یا تو ہند سے ہوئی ہے جیسے ریاضی اور نجوم یا ایران سے جس کا مرکز بابل تھا۔ پھر اس سے آگے یونان ہے یونان کا چونکہ جلد ہی مسیحوں سے تعلق پڑ گیا اس لیے وہ جلد ہی ممتاز ہوگیا۔ اور وہاں کے حکماء دنیا میں مشہور ہوگئے۔ ورنہ دراصل بعض چیزوں میں تو واقعی ممتاز ہے۔ لیکن بعض میں ایران اور بعض میں ہندوستان بہت ہی آگے ہے اور یہ سب فلسفہ حضرت ابراہیم سے پہلے کے ہیں۔ اس دور کی ترقی دو مرحلوں پر ختم ہوتی ہے (۱) یہ کہ سارے عالم کا مادہ ایک ہی ہے۔ جس چیز (کا) سے حیات کا تعلق ہے وہی مادہ ہے اور تمام مادی قوتیں (ایک مرکز سے نکلی ہیں چاہے وہ آسمان (کا کے) ستارے ہوں یا زمین کا پانی۔ جو حکیم اس درجہ پر پہنچے گا وہ طبعیات، نجوم اور ریاضی میں استاد مانا جائے گا۔

(۲) یہ کہ مادی اشیاء کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ہیں جو مادہ کی تعریف کے ذیل میں نہیں آتیں مگر عقل انہیں قدرتی طور پر ادراک کرتی ہے۔ مثلاً فرشتہ اور برق وغیرہما۔ جنھیں بعض حکماء نے اپنے مرکز کی تلاش میں تحرک کرکے بذات خود ملاحظہ بھی کرلیا ہے جہاں مادی اور غیر مادی چیزیں جاکر جمع ہوجاتیں ہیں۔ کیونکہ کسی چیز کی تنظیم مرکز کے سوا ہو ہی نہیں سکتی۔ حکماء کے نزدیک مادیت اور غیر مادیت کا جو مشترک مرکز ہے اس کا نام وجود ہے انہیں اس وجود کی وحدت بھی ایسے ہی ماننی پڑیگی جیسے کہ مادے کو مانتے ہیں۔ مٹی سے نباتات پیدا ہوتی ہیں۔ کسی کو تردد نہیں کہ یہ مٹی سے نکلی ہیں اور اجڑنے کے بعد سڑگل کر پھر مٹی مل میں مل گھل جائیں گی مادے کی وحدت میں ان تغیرات سے کوئی فرق نہیں آتا۔ اس طرح متفرق چیزوں کو مرکز سے وابستہ کرنے کا نام وحدت ہے۔

ایک حکیم جب تمام وجودی چیزوں مادی خواہ غیر مادی کا ایک مرکز سے تعلق پیدا کرکے اس میں سے سب کی تشریح کرسکا اور اس میں ان سب کا سکا اور وہ وجود ویسا ہی الآنَ کَمَا کَانَ غیر متغیر ہے تو اس حکمت کا نام "وحدت الوجود" ہے یہ ایک حقیقت اور سائنس ہے، فلسفہ نہیں کیونکہ ایک انسان جب اس وجود کو سوچتا ہے لیکن احاطہ نہیں کرسکتا اور صرف

اپنے محسوسات کے مطابق چیزوں کے نام اور شکلیں مقرر کرتا ہے تو یہ فلسفہ بن جاتا ہے۔ اور اس تجلی کے ذریعہ سے حقیقت سے آشنا ہوگا۔ اور جو حکیم وجود کی معرفت میں ماہر ہوتا ہے اسے الٰہی حکیم کہا جاتا ہے۔ حکمت کے یہ دونوں درجہ کہ مادہ کو مرکز بنایا جائے یا وجود کو وحدۃ المادہ اور وحدۃ الوجود انسانیت کے لوازم میں سے ہیں۔ انسانیت ان خیالات سے خالی نہیں رہ سکتی۔ بعض اوقات زمین کے بعض حصے ایسے مردم خیز واقع ہوئے ہیں کہ جمیع اوصاف حکمت پر بحث کرنے والے آدمی وہاں پیدا ہوتے ہیں اور وہ ایسا خطہ دنیا میں انسانیت کے لیے مرکز بن جاتا ہے جس زمانہ کا ہم ذکر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں بابل اور سوریا انسانیت کے مرکز تھے چنانچہ سوریا میں انسانیت کے حکیم زیادہ ہوئے ہیں۔ اور بابل میں طبعیات کے زیادہ ہوئے ہیں انبیاء علیہم السلام کا درجہ جیسے کہ طبقات کے مطالعہ سے سمجھا جاتا ہے ان حکماء کے معلمین کا ہے اور ان میں سے اچھے حکیم نبوت کے بہترین شارح ہیں ان ہی کو صدیق کہا جاتا ہے یہ ان مسائل کو جو انبیاء علیہم السلام نے پیش کیے ہیں اپنے عقل سے صحیح مانتے تھے اس لیے انھوں نے جھٹ تصدیق کر دی الٰہی حکیم وہ چیز کبھی نہیں مان سکتا جسے نبی رد کر دے۔

انبیاء کے گرد ایسے حکماء یعنی صدیقین کی ایک جماعت جمع ہو جاتی ہے جن کے زور سے انبیاء علیہم السلام کی حکمت انسانیت میں پھیلتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں حکمت الٰہیہ ہمیشہ مرکز رہتی ہے اور باقی اجتماعی حکمتیں، گاؤں بسانا، شہر بسانا اور جو ارتفاقات پڑھیں گے یہ سب نبوت کی تعلیم میں دوسرے درجہ پر ہیں۔ لیکن حکیم کے ہاں یہ سوشل اجتماعات پہلے درجہ کی چیزیں ہیں۔ صدیقین کے اس علم کا نام ہے "الحکمۃ" حکماء کی حکمت کے بعد انسانیت میں نظام قائم کرنے کے لیے حکمرانوں کی ضرورت ہے کیونکہ انسانیت کے تمام طبقے حکمت کو خود ٹھیک طرح نہیں سمجھ سکتے اس لیے ایک طبقہ جو ارتفاقات میں زیادہ مصروف رہتا ہے اپنے اچھے استاد پر اعتماد کر کے حکمت کو مان لیتا ہے یہ لوگ اصل میں حکم ماننے والے ہوتے ہیں استاد جو حکم دیتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں ان لوگوں کے سردار کا نام شہداء ہے یہ نبی کے گرد دوسری صف میں جمع ہو جاتے ہیں یہ خود حکمت کو سمجھتے ہیں اور عوام تک حکم کی صورت میں پہنچاتے ہیں۔ اس حکم اصطلاحی نام 'الکتاب' ہے یعنی لکھی ہوئی چیز نوشتہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس طرح حکم میں تبدیلی نہیں انہیں یعنی عوام کو اپنی عقل کو اس حکم کے تابع کرنا پڑتا ہے۔